در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

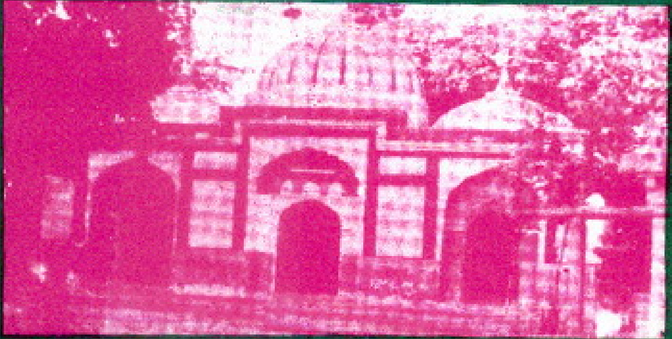

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت، پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگارِ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظم اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۲۵۳ — جلد نمبر ۲۲

یکم تا ۱۵ مئی سنہ ۲۰۰۳ء — ربیع الاول سنہ ۱۴۲۴ھ

مدیر اعلیٰ فقیر محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے
طبع کرکے کوآرٹ پشاور سے شائع کیا

امام حسن علیہ السلام نمبر

شذرہ

خلافت راشدہ کے آخری تاجدار

مدیر اعلیٰ

پیغمبر اسلام، سید الانس والجان، عالم علوم اولین و آخرین، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین بن کر مسند نبوت ورسالت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ ﷺ نے تعلیمات اسلامیہ محمدیہ کا بہترین نمونہ دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا اور اپنے اخلاق عالیہ سے عرب کے منتشر قبائل کو متحد فرمایا اور ایک کامل و مکمل نظام حیات ان کو عطا فرمایا جس میں انسان کی مادی و روحانی تعمیر و ترقی اور نشوونما کی مکمل رہنمائی موجود ہے۔

پیارے محبوب ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول کی حیثیت سے مسلمانوں کے سیاسی و روحانی رہنما اور سرپرست بھی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال فرمانے کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہ دینی و دنیوی یکجہتی برقرار رہی اور حضور ﷺ نے اس مبارک اور زرین دور کی طبعی عمر کے بارے میں اپنی امت کو مطلع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "میرے بعد خلافت راشدہ تیس سال تک رہے گی"۔

چنانچہ خلیفہ اول امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر خلیفہ چہارم امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت تک ساڑھے انتیس سال کا عرصہ بنتا ہے پھر چھ ماہ تک نواسہ رسول اکرم ﷺ سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے لخت جگر، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے نور عین اور سید الشہداء حضرت امام حسن علیہ السلام کے برادر اکبر امام عالی مقام حضرت امام حسن علیہ السلام پانچویں اور آخری خلیفہ راشد کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے ہوئے سیاسی اقتدار سے دستبردار ہو گئے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جمال و کمال اور عادات و اطوار میں اپنے نانا جان جناب رسول مقبول ﷺ کے مظہر اتم تھے۔ خود حیدر کرار علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشاد گرامی ہے کہ "حضرت امام حسن علیہ السلام پیغمبر اسلام ﷺ کے ہم شکل ہیں" اس کی تائید امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرمودات سے بھی ہوتی ہے بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی پیارے محبوب ﷺ کی یاد ستاتی تو آپ کے دیدار کے ذریعہ اپنی پیاس بجھا لیتے اور اپنے دل کو تسکین پہنچاتے۔ آپ کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے "تذکرۃ الاولیاء" کے مصنف شیخ المشائخ حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا

شب از موئے سیاہش تیرہ ماندہ | زرویش ماہ روشن خیرہ ماندہ

جبکہ ہمارے ایک دوست شیخ القرآن والحدیث ادیب شہیر، شاعر بے بدل حضرت علامہ سید خضر حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں

چاند شرمندہ ہے ان کا روئے تاباں دیکھ کر | پھول شرمائے چمن میں ان کو خنداں دیکھ کر

الغرض جس طرح پیارے محبوب ﷺ نے اپنی شفقت، محبت اور تالیف قلوب سے قبائل عرب کی عداوت و تعصب کی آگ بجھائی اسی طرح نواسہ رسول مقبول ﷺ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے اخلاق حسنہ اور شفقت و رأفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نفرت واختلافات اور فتنہ وفساد کے شعلوں کو ٹھنڈا کیا۔ آپ نے خونریزی اور شرانگیزی کو ختم کرنے کیلئے عظیم الشان قربانی پیش کرتے ہوئے حکومت سے علیحدگی فرمائی۔ بارگاہِ رب العزت میں یہ ناقابل فراموش ایثار اس قدر مقبول ہوا کہ رب ذوالجلال نے خصوصی مہربانی وکرم نوازی فرماتے ہوئے روحانی قیادت وامامت کو آپ علیہ السلام اور آپ کے خاندان کا مقدر بنا دیا چنانچہ علماء مسترشدین کی تصریحات کے مطابق ہر دور میں قطب اولیاء کے منصب جلیلہ پر آل رسول ﷺ کو فائز فرمایا جاتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا (ان شاء اللہ)۔ بسا اوقات جب کبھی غیر سادات میں سے بھی اگر کسی کو قطبیت عطا کی جاتی ہے تو پھر بھی انہی کے حلقہ مودت میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

اس محسن انسانیت، شفیق ومہربان اور مسلمانوں کے اتفاق واتحاد اور یکجہتی کے علمبردار کا وجود باجود امت محمدیہ ﷺ کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا تھا اور آپ کے فیوض وبرکات سے عوام وخواص مستفیض ہورہے تھے۔ ملت اسلامیہ کو ان برکات سے محروم کرنے کیلئے آپ کو کئی بار زہر دیا گیا جو کارگر ثابت نہ ہوا لیکن آخری بار ایک خطرناک قسم کا زہر پلایا گیا جس سے آپ کے قلب وجگر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گرنے لگے اور یوں آپ شہادت خفی کی امامت پر فائز ہوکر اس فانی دنیا سے الوداع ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

امام عالی مقام حضرت امام حسن علیہ السلام کی حیات طیبہ پر عزیزم سید محمد انور شاہ قادری (ایم اے لائبریری سائنس) نے قلم اٹھایا اور آنجناب علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے تحقیقی اصولوں کے مطابق ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا جسے قارئین کیلئے "امام حسن علیہ السلام نمبر" میں شائع کیا جارہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے اس کے ذریعہ قارئین کرام کے قلوب کو اہل بیت اطہار خصوصاً امام حسن علیہ السلام کی محبت سے سرشار فرمائے اور شاہ صاحب کیلئے اسے دینی، دنیوی اور اخروی کامیابیوں کا ذریعہ بنائے---آمین۔

منقبت بحضور جناب امام حسن علیہ السلام

سید احمد ناصر گیلانی

دیا، چراغ، اجالا میرا امام حسن
بڑی ہی روشنی والا میرا امام حسن

عرب کی تیرہ شبی میں جو بن کے نور اترا
ہے اس کا پہلا اجالا میرا امام حسن

غنی، امام، ولی بھی وہ اور شہید بھی وہ
عجیب خوبیوں والا میرا امام حسن

وہ داستاں جو رقم جا کے کربلا میں ہوئی
ہے اس کا پہلا حوالہ میرا امام حسن

پلائیں ساقی کوثر تیرے وسیلے سے
تیرا چلو بنے پیالہ میرا، امام حسن

نہ صرف یہ کہ ہیں سردارِ عرش و فرش امام
حسب نسب میں بھی اعلیٰ میرا امام حسن

خلیفۂ پنجم حضرت امام حسن علیہ السلام

سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ا پشاور شہر

گوہر معدنِ نبوت، شبیہہ جمالِ رسالت، آفتابِ سخاوت، مہتابِ امامت، نوجوانانِ جنت کے سردار، دوشِ نبوت کے سوار، مملکتِ فقر و استغناء کے تاجدار، اتحاد و یکجہتی کے علمبردار، رشد و ہدایت کے مینار، امام الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسۂ اکبر، امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے نورِ نظر، سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے لختِ جگر، پانچویں اور آخری خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا و مولانا و مرشدنا ابو محمد حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام انسانیت کے عظیم ترین مصلح اور تاریخ اسلام کے وہ محسن اعظم ہیں جنہوں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شیرازہ بندی اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کیلئے تاج و تخت اور سلطنت و اقتدار کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے ایک روشن، منفرد اور بے نظیر مثال قائم فرمائی۔ زیرِ نظر سطور میں اس عظیم الشان و بے مثال شخصیت کا ذکرِ خیر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

ولادت باسعادت

آپ کی پیدائش سے قبل حضرت ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا (زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ) پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اقدس کا ٹکڑا میرے گھر میں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے، میری صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو تمہارے بیٹے حضرت قثم رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی ہوگا۔[1]

چنانچہ جب ولادتِ باسعادت کا وقت قریب آیا تو امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو اپنی جگر گوشہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں بھیجا اور فرمایا جب بچہ پیدا ہو اور آواز بلند کرے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور

---

[1] مومن شبلنجی، نور الابصار، مکتبہ جمہوریہ مصر، صفحہ ۱۱۹

بائیں کان میں اقامت کہیں کیونکہ اس سے بچہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ ا

یہ ہجرت کا تیسرا سال اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے چمن مرتضوی میں یہ پہلا پھول کھلا جس کی خوشبو سے سارا گلشن رسالت مہک اٹھا۔ پیارے محبوب ﷺ تشریف لائے اور گھٹی کے طور پر اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور یہ دعا پڑھی

اللھم انی اعیذہ بک و ذریتہ من الشیطن الرجیم ۲

ترجمہ: اے اللہ! میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان لعین کے شر سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر جب ساتواں دن ہوا تو حضور ﷺ نے نومولود کا نام دریافت کیا تو عرض کیا گیا کہ اس کا نام حرب رکھا گیا ہے لیکن حضور ﷺ نے ''حسن'' نام تجویز فرمایا۔ دو دنبے ذبح کر کے عقیقہ کیا اور سر کے بال منڈوا کر ان کے برابر چاندی صدقہ کی اور اپنے دست اقدس سے امام حسن علیہ السلام کے سر مبارک پر خوشبو لگائی۔ ۳

بچپن

حضرت امام حسن علیہ السلام کا بچپن تاریخ عالم کے سنہری دور اور بہترین ماحول میں بسر ہوا۔ سرور کون و مکان ﷺ کے زیر سایہ آپ کی پرورش اور نشوونما ہوئی۔ ہر روز پیارے محبوب ﷺ اپنے نواسے کو دیکھنے کیلئے اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لے جاتے اور یہ کلمات پڑھ کر آپ پر اور حضرت امام حسین علیہ السلام پر پھونکا کرتے تھے

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان و ھامۃ و من کل عین لامۃ ۴

امام عالی مقام حضرت امام حسن نے جب ننھے ننھے قدموں سے چلنا سیکھا تو گھر سے نکل کر مسجد نبوی ﷺ پہنچ جاتے کیونکہ آستانہ حیدر کرار کا دروازہ مسجد نبوی میں ہی کھلتا تھا۔ پیارے محبوب ﷺ فوراً اپنے پیارے نواسے کو اٹھا کر اپنی آغوشِ رحمت وشفقت میں لے لیتے۔ اگر خطبہ دے رہے ہوتے تو منبر سے اتر کر آتے اور آپ کو اٹھا کر اپنے پاس منبر پر بٹھا لیتے ۵۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں ہوتے تو آپ

ا۔۳: ایضاً نور الابصار شبلنجی صفحہ ۱۱۹

۴: ایضاً نور الابصار شبلنجی صفحہ ۱۲۰

۵: ترمذی شریف، ابواب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین

آ کر ٹانگوں میں گھس جاتے تو حضور ﷺ پاؤں مبارک پھیلا کر ان کیلئے راستہ بنا دیتے[۱]۔ اور اگر سجدہ میں ہوتے تو آپ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور نبی کریم ﷺ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے جب تک یہ خود نہ اتر جاتے[۲]۔

سرور عالم و عالمیان ﷺ خود بھی حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے مدینہ منورہ میں نکل جاتے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے ''اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما''[۳]۔ یہی حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے[۴]۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث یوں بھی روایت کی ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ میں رات کو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ کوئی چیز چادر میں لپیٹ کر اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ چادر میں کیا ہے تو حضور ﷺ نے چادر اٹھائی، میں نے دیکھا کہ حسن و حسین کو حضور ﷺ اٹھائے ہوئے ہیں پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''یہ دونوں میرے بچے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی ان کو محبوب رکھ اور ان سے محبت رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ''[۵]۔ حضور نبی کریم ﷺ حسنین کریمین علیہم السلام کو پھولوں کی طرح سونگھا کرتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسن و حسین میرے جنت کے دو پھول ہیں[۶]۔ ایک دوسری حدیث مبارک میں پیارے محبوب ﷺ نے فرمایا اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ[۷]۔ ترجمہ: حضرت امام حسن و حسین (علیہما السلام) جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسنین کریمین علیہم السلام کے ساتھ پیارے محبوب ﷺ کی والہانہ محبت کا ذکر کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ قینقاع کے بازار سے واپس لوٹا تو آپ ﷺ اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا بچے کہاں ہیں؟ اتنے میں دونوں دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے بغلگیر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے

۱-۲: شاہ معین الدین ندوی، سیر الصحابہ، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۵۱ء، جلد ۶، صفحہ ۲۲

۳-۴: بخاری شریف، کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین

۵: ترمذی شریف، بحولہ بالا ۶: بخاری شریف، بحولہ بالا ۷: ترمذی شریف، بحولہ بالا

میرے اللہ میں ان کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی انہیں محبوب رکھ اور ان کے چاہنے والے کو بھی محبوب رکھ[1]۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اہل بیت میں مجھ کو حسن و حسین سب سے زیادہ عزیز ہیں۔[2]

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں حضرات حسنین کریمین سرخ قمیصیں زیب تن کئے ہوئے دکھائی دیئے تو انہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔[3]

اسی قسم کا ایک واقعہ صحابی رسول حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا گیا ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر اس حال میں ملاحظہ کیا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ التفات فرماتے اور کبھی سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فیضانِ نظر فرماتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں گویا ہوئے۔

ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین[4]

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کروائے گا۔

عصر حاضر کے مایہ ناز محقق حضرت علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

"یہ محض ایک اطلاع نہ تھی جس کو دوسری پیشنگوئیوں کی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان سن لیتے اور تصدیق کرتے بلکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کیلئے ایک رہنما اشارہ اور تلقین کی نوعیت رکھنے والا مقولہ بھی تھا جو ان کی پوری زندگی میں ان کے رجحانات و اعمال کا رخ متقرر کرنے اور ایک معیار قائم کرنے میں عنوان حیات کا کام دے اور یقیناً یہ جملہ ان کے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر ان کے اعصاب و احساسات پر طاری رہا ہوگا اور ان کے رگ و

[1]: مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب فضل الحسن والحسین

[2]-[3]: ترمذی شریف بحوالہ بالا

[4]: بخاری شریف، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للحسن

پے میں سرایت کر چکا ہوگا اور اس کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وصیت کی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ کی پیشنگوئی ان کی حرکات وسکنات سے ظاہر تھی"۔[۱]

چونکہ حضرت امام حسن ؑ اور آپ کے بھائی حضرت امام حسین ؑ پیارے محبوب ﷺ کو بے حد محبوب تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی اپنے محبوب ﷺ کے نواسے از حد عزیز ہیں کیونکہ بارگاہِ الٰہی میں رضائے رسول ﷺ کی اہمیت ومقبولیت کا اندازہ تحویل قبلہ سے ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے قلبِ اطہر میں بیت المقدس کی جگہ کعبۃ اللہ شریف کے قبلہ ہونے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، ابھی لب کشائی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی بھیج کر بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ شریف کو قبلہ مقرر کرنے کا حکم صادر فرما دیا (ملاحظہ فرمائیں سورہ البقرہ آیت ۱۴۴) اور یہاں یہ عالم ہے کہ پیارے محبوب ﷺ بار بار یہ دعا فرما رہے ہیں کہ "اے اللہ حسنین کریمین سے مجھے محبت ہے تو بھی انہیں محبوب رکھ"۔

آقائے نامدار ﷺ کی اس دعا کو بارگاہِ الٰہی میں جو شرف، عظمت اور مقام قبولیت حاصل ہوا اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتا ہے البتہ دنیا والوں پر آلِ رسول ﷺ کا مقام محبوبیت اور طہارت واضح وآشکارا کرنے کیلئے آیت تطہیر (سورہ احزاب آیت ۳۳) کا نزول فرمایا (نیز امت محمدیہ ﷺ کے عوام وخواص پر آلِ رسول ﷺ خصوصاً حسنین کریمین کی محبت وعقیدت کو واجب قرار دیتے ہوئے آیت مودت نازل کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ اقدس سے یہ اعلان عام فرما دیا کہ

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ (۴۲:۲۳)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت (ترجمہ از کنز الایمان)

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں متعدد ارشادات میں اہل بیت اطہار کی محبت ومودّت کی ترغیب اور ان کی عداوت ودشمنی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ ایمان افروز فرمودات اور الفت ومحبت کے والہانہ مناظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملاحظہ فرماتے رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ بھی آلِ رسول خصوصاً حسنین کریمین کے ساتھ بے پناہ محبت فرماتے تھے۔

آغوشِ رسالت مآب ﷺ میں امام عالی مقام سیدنا امام حسن ؑ کو سات سال پانچ ماہ اور تین دن

۱: ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰ، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۱ء صفحہ ۳۴۸-۳۴۹۔

گزارنے کا شرف حاصل رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے علم وعرفان کی جو منازل طے فرمائیں اور محبوبیت و فردیت کے جس اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوئے قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام اس کے گواہ ہیں نیز آنجناب علیہ السلام کا کردار بھی اس کا واضح ترین ثبوت فراہم کرتا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کے یہ شب و روز معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں گزرتے رہے۔ چھوٹی سی عمر میں ہی دل و دماغ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان نظر سے وحی الٰہی کی طرف پوری طرح متوجہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ نزول وحی کے بعد جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن سکھاتے تو ساتھ ہی بیٹھے ہوئے امام حسن علیہ السلام کو بھی ازبر ہو جاتا اور گھر آ کر والدہ ماجدہ کو سنا دیتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جب گھر تشریف لائے تو سیدہ خاتونِ جنت علیہا السلام نے آپ کو نئی نازل ہونے والی آیات قرآنیہ سے مطلع فرمایا۔ ایک دن امیر المومنین نے پوچھا کہ یہ وحی تو ابھی ابھی پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں آپ کو اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا تو سیدہ فرمانے لگیں میرے لختِ جگر امام حسن علیہ السلام نے مجھے آ کر یہ وحی الٰہی سنائی۔ حیدر کرار علیہ السلام کو بڑی خوشی ہوتی اور ساتھ ہی حیرت بھی ہوتی کہ اس قدر چھوٹی سی عمر میں یہ نونہال کس طرح وحی یاد کر کے ماں کو سنا دیتا ہے تو ایک ایسے ہی موقع پر آپ گھر کے ایک کونے میں چھپ گئے اور امام حسن علیہ السلام والدہ ماجدہ کو وحی الٰہی سنانے لگے تو ان کی زبان اقدس قدرے رکنے لگی تو خود ہی فرمانے لگے امی جان ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے کوئی بزرگ یہاں موجود ہیں اور میرا کلام سن رہے ہیں یہ ان کے رعب کا اثر ہے کہ آج میری زبان رکتی ہے۔[2]

والدہ ماجدہ کی وفات

امام عالی مقام حضرت امام حسن علیہ السلام ابھی نانا جان جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا صدمہ نہ بھولے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے چھ ماہ بعد والدہ ماجدہ سیدۃ النساء العالمین حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اس عظیم سانحہ نے امام حسن علیہ السلام کے ننھے سے دل و دماغ پر غم و الم کے بوجھ کو دگنا کر دیا۔ اس قدر ناز و نعم اور لاڈ پیار سے پلنے والے اچانک نانا جان کے پیار اور ماں کی مامتا سے محروم ہو گئے۔ اس عرصہ میں آپ جن المناک کیفیات سے گزرے ہوں گے اس کا اندازہ

۱-۲: سید آلِ محبوب پیرزادہ ساجد، خاندانِ نبوت، عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور ۱۳۸۲ھ صفحہ ۹۰

آپ کے سوا صرف اور صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہی ہوا ہو گا۔ اب آپ کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داری والد گرامی مرتبت حیدرِ کرار شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے کندھوں پر آپڑی جسے امام الاولیاء نے نہایت خوبی سے سرانجام دیا اور آپ کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا

عہدِ خلافتِ راشدہ

مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت راشدہ کی مدت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی''۔[1] اسی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں عہد خلافت راشدہ کا آغاز یوں ہوا کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہوئے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام اس دور میں ابھی کمسن تھے۔ خلیفہ اول اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے از حد محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کا مشہور قول ہے کہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے حقوق مجھے اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہیں''۔[2] امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک دن اپنے عہدِ خلافت میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد مسجد نبوی سے اس حال میں باہر نکلے کہ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں حضرت امام حسن علیہ السلام بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ خلیفہ اول نے اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور امام الاولیاء علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا بخدا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہے، آپ کے مشابہ نہیں یہ سن کر حیدر کرار مسکرانے لگے۔[3]

اسی طرح خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ایک بار حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ ثانی کے دور خلافت میں ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ دروازے پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھڑے تھے جو والد سے ملنے کیلئے اجازت کے منتظر تھے لیکن فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک اہم میٹنگ میں تھے جس کی وجہ سے انہیں اجازت نہ ملی۔ امام حسن علیہ السلام نے یہ صورتحال دیکھی تو واپس آ گئے۔ بعد میں خلیفہ ثانی کو معلوم ہوا تو آپ فوراً حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس پہنچے اور فرمایا آپ تشریف

[1] شاہ معین الدین ندوی، محولہ بالا، صفحہ ۳۳

[2] صحیح بخاری شریف، کتاب المناقب، باب مناقب قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[3] صحیح بخاری شریف، باب مناقب الحسن والحسین

لائے اور بغیر ملاقات واپس آ گئے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا میں اس خیال سے واپس آ گیا کہ جب آپ نے اپنے بیٹے کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے۔ یہ سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ اس سے زیادہ اجازت کے مستحق ہیں، ہمارے سروں پر یہ بال آپ ہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اگائے ہیں''۔[۱] جبکہ ایک دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ جب بھی تشریف لایا کریں تو بغیر اجازت کے آجایا کریں''[۲]

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر کئے تو بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقدم رکھا یعنی غزوہ بدر میں شامل ہونے والے جو صحابہ کرام اس وقت تک زندہ تھے ان کا سب سے زیادہ وظیفہ پانچ پانچ ہزار مقرر فرمایا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کا وظیفہ بھی ان کے برابر پانچ پانچ ہزار مقرر فرمایا[۳] حالانکہ یہ غزوہ بدر کے وقت ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ان واقعات سے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ قلبی محبت و یگانگت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

جوانی

خلیفہ سوم امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں امام حسن علیہ السلام نے عالم شباب میں قدم رکھا اور باقاعدہ عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس عرصہ میں آپ نے جہاد میں بھی حصہ لیا چنانچہ پہلی مرتبہ طبرستان پر حملہ آور اسلامی لشکر میں شریک ہوئے۔[۴]

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب بغاوت ہوئی اور باغیوں نے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو حیدر کرار نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو آپ کی حفاظت کیلئے بھیجا۔ آپ نے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر باغیوں کا مقابلہ کیا اور خلیفہ سوم کا دفاع کرتے ہوئے آپ زخمی بھی ہوئے اور سارا جسم خون سے رنگین ہو گیا۔[۵]

خلیفہ سوم امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد آنجناب رضی اللہ عنہ کے ہم

۱-۲: ابن حجر، صواعق محرقہ

۳: شاہ معین الدین ندوی بحوالہ بالا، صفحہ ۱۴　　۴: ایضاً صفحہ ۱۵　　۵: ایضاً صفحہ ۱۵

زلف اور داماد رسول جناب امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم چوتھے خلیفہ راشد کی حیثیت سے ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو مسند نشین خلافت ہوئے[1]۔ تو امام حسن علیہ السلام اپنے والد ماجد کے مشیر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے نیز اس عرصہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان شکر رنجیوں کی بدولت جو معرکہ آرائیاں ہوئیں تو ان میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے ہر موقع پر ان کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا۔

خلافت راشدہ کا عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد ۳۶ ہجری میں امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو جنگ جمل کا سامنا کرنا پڑا۔ کوفہ کے حاکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ لوگ تذبذب کا شکار ہو کر امیر المومنین کا ساتھ دینے سے کترانے لگے اور کوفہ میں امیر المومنین کے خلاف ناسازگار فضاء پیدا ہوگئی۔ چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام فوراً کوفہ پہنچے اور جامع کوفہ میں مجمع عام کے سامنے ایک فصیح وبلیغ تقریر فرمائی۔ لوگوں کو حقیقی صورتحال سے آگاہ کیا اور ان کے سامنے امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عظمت وفضیلت بیان فرمائی جس سے شکوک وشبہات کے تمام بادل چھٹ گئے اور اہل کوفہ امیر المومنین کے جانثار بن کر آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے[2]۔

سینتیس (۳۷) ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ صفین میں بھی حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ساتھ دیتے ہوئے مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے۔ اسی طرح خوارج کے فتنوں کے سدباب کے دوران بھی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے والد گرامی مرتبت کا دست وبازو بنے رہے یہاں تک کہ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بارگاہِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آ گیا اور ایک ملعون خارجی ابن ملجم نے رات کے اندھیرے میں نماز فجر کے دوران ۱۸ رمضان ۴۰ ہجری کو جامع مسجد کوفہ میں چوتھے خلیفہ راشد کو تلوار سے وار کر کے زخمی کر دیا[3]۔

امیر المومنین اس کے بعد تین دن تک زندہ رہے اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے فرمایا "اے حسن اگر میں اس ضرب کے اثر سے فوت ہو جاؤں تو بجز میرے قاتل کے اور کسی کو قتل نہ کرنا۔ اس شخص کو بھی ایک ہی وار میں قتل کرنا اور اسی وار سے جو اس نے مجھ پر کیا ہے، اس کے ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا[4]"

---

[1] عبدالحلیم شرر، تاریخ اسلام، مقبول اکیڈمی لاہور، جلد ۲، صفحہ ۶۳۷ [2] ایضاً صفحہ ۶۷۲-۶۷۷ [3]-[4] ایضاً صفحہ ۸۵۸

والد ماجد کی وصیت

علاوہ ازیں حضرت امام حسن علیہ السلام کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی ''بیٹا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ گناہوں سے بچنا، نماز کو وقت پر ادا کرنا اور زکوٰۃ کو اس کے محل پر ادا کرنا، وضو اچھی طرح کرنا کیونکہ بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی۔ یہ بھی میری وصیت ہے کہ لوگوں کے قصور کو معاف کرنا، غصہ کو مارنا، تعلقات قرابت کو مستحکم کرنا، جاہل کے مقابلے میں بردباری ظاہر کرنا، دین میں سمجھ کے کام کرنا، معاملات میں استقلال دکھانا، تلاوت قرآن کی پابندی کرنا، پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دینا، بری باتوں سے روکنا اور فحش سے احتراز کرنا''۔[۱]

امام الاولیاء علیہ السلام کی شہادت

امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حملے کے تین دن بعد اس حال میں جام شہادت نوش فرمایا اور روح مبارک نے قفس عنصری سے پرواز فرمائی کہ آپ کی زبان اقدس پر کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ کا ورد جاری تھا[۲]۔ چنانچہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تعاون سے خود اپنے دست اقدس کے ساتھ غسل دیا اور بنفس نفیس نماز جنازہ پڑھائی۔[۳]

تدفین کے تمام مراحل سے فراغت کے بعد حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے قاتل کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا تا کہ پدر بزرگوار کی وصیت کے مطابق اس پر قصاص جاری کریں تو وہ کہنے لگا کہ میں نے خدا کی قسم حطیم کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر عہد کیا تھا کہ جب تک علی اور معاویہ کو نہ قتل کرلوں اور کوئی کام نہ کروں گا، اب اگر آپ پسند کریں تو مجھے معاویہ کے قتل کرنے کیلئے چھوڑ دیں اور میں خدا کو درمیان میں لا کر یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر معاویہ کو قتل نہ کرسکا تو واپس آ کر اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''خدا کی قسم تو جب تک آتش دوزخ نہ دیکھ لے نہ چھوٹے گا، یہ فرما کر آپ نے اسے آگے بڑھایا اور ایک ہی وار میں قتل کر ڈالا''[۴]

۱۔ عبدالحلیم شرر، تاریخ اسلام، جلد ۲، صفحہ ۸۵۹

۲۔۳: ایضاً صفحہ ۸۶۰

امام حسن علیہ السلام بحیثیت پانچویں اور آخری خلیفہ راشد

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر قاتلانہ حملہ کے بعد آنجناب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھا گیا کہ اگر آپ اس زخم سے جاں بر نہ ہوسکیں تو کیا ہم آپ کے صاحبزادہ حضرت حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرلیں تو آپؑ نے فرمایا "میں نہ حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں"۔[1]

الغرض جب آپ کرم اللہ تعالیٰ تعالیٰ وجہہ الکریم شہید ہوگئے تو لوگوں نے رمضان المبارک ۴۰ ہجری میں آپ کے فرزند اکبر سیدنا امام حسن علیہ السلام کے دست اقدس پر بیعت کر کے آپ کو مسند خلافت پر بٹھادیا۔[2]

تو آپ نے پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے جامع مسجد کوفہ میں حاضرین سے یوں خطاب فرمایا

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص (علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پاسکیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا علم (جھنڈا) مرحمت فرما کر انہیں غزوات میں بھیجا کرتے تھے۔ وہ کبھی کسی بھی جہاد سے ناکام واپس نہیں لوٹے۔ حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام ان کے جلو میں دائیں بائیں ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے سوائے سات سو درہم کے چاندی سونے کا کوئی ذخیرہ نہیں چھوڑا۔ یہ رقم بھی آپ نے اپنی مقررہ تنخواہ میں سے ایک خادم خریدنے کیلئے جمع کی تھی"۔[3]

شامی افواج کی پیش قدمی

امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد شامی افواج نے امیرِ شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر پیش قدمی شروع کردی۔ عصرِ حاضر کے مایہ ناز محقق، غزالی ثانی حضرت علامہ ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی (سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت امام حسن علیہ السلام کی دوررس نگاہیں ان حالات سے بخوبی آگاہ تھیں جو ملک میں فتنہ و فساد کے موجب ہوئے، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بنوامیہ کے دلوں میں اب اپنے قبیلہ کی برتری کی تمنائیں اسلام کے فروغ کی تمناؤں پر غالب آچکی تھیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام فطرتاً صلح

۱: عبد الحلیم شرر، تاریخ اسلام، جلد۲، صفحہ ۸۵۹ ۲: ایضاً صفحہ ۸۷۸

۳: شاہ معین الدین ندوی بحوالہ بالا، صفحہ ۱۹

پسند، امن کے طالب، جنگ و فساد سے نفرت فرمانے والے تھے لیکن بہر حال جب آپ نے دیکھا کہ ان کے گرد جو جانثار ہیں وہ امیر معاویہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت سے یہ موقع نہیں دینا چاہتے کہ وہ خلیفہ بن جائیں تو آپ نے قیس بن سعد کو بارہ ہزار لشکر کے ساتھ امیر معاویہ کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ [1]

حضرت امام حسن علیہ السلام بعد از اں خود بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ شامیوں کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے جب مدائن پہنچے تو قصر ابیض میں قیام فرمایا۔ ان دنوں حضرت سعد بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے۔ اس کے بھتیجے مختار ثقفی نے اپنے گورنر چچا سے کہا کہ اس وقت حسن بن علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم آپ کے پاس ہے انہیں گرفتار کر کے امیر معاویہ کے حوالے کر دیں اس طرح آپ بہت بڑی دولت اور عزت کا مقام حاصل کر سکتے ہیں، یہ بڑا سنہری موقع ہے۔ حضرت سعد بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جو حقیقی معنوں میں محبِ اہل بیت تھے نہایت ہی غیض و غضب اور غصے سے کہا خدا تجھ پر لعنت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر ظلم کروں اور انہیں قید کر کے دشمنوں کے حوالے کروں اور ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں۔ [2]

خلافت سے دستبرداری

الغرض دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک بہت بڑی خونریزی ہوگی، بچے یتیم، عورتیں بیوہ اور مائیں اپنے جگر گوشوں کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھیں گی جبکہ ادھر امام حسن علیہ السلام کو قتل و خونریزی سے سخت نفرت تھی۔ آپ امن و آشتی اور صلح کے پیامبر تھے اور جنگ و جدل کو ناپسند کرتے تھے معروف تابعی اور سلاسل تصوف کے امام حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اموی اور حسنی فوجوں کی محاذ آرائی کے بارے میں اپنے جو مشاہدات بیان کئے انہیں بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''امام حسن بن علی پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان کے ساتھ ایسے لشکر دیکھتا ہوں کہ اس وقت تک پیٹھ نہیں پھیریں گے جب تک اپنے مد مقابل کا صفایا نہ کر دیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا خدا کی قسم وہ (عمرو بن العاص) سے بہتر تھے کہ اگر انہوں نے ان کو اور انہوں نے

۱: حامد حسن بلگرامی، نور مبین، صفحہ ۵۴۰

۲: عبدالحلیم شرر، بحوالہ بالا صفحہ ۸۷۹-۸۸۰

ان کو قتل کر دیا تو لوگوں میں سے ان کی بیویوں اور جائیدادوں کا والی وارث کون بنے گا۔ لہٰذا ان کی طرف قریش سے بنو عبد شمس کے دو آدمی عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز بھیجے پس ان سے کہا کہ دونوں امام حسن کے پاس جاؤ اور انہیں صلح پر رضامند کرو اور ان سے گفتگو کر کے اس طرف مائل کرو، دونوں آئے، ان کے پاس پہنچے اور گفتگو کر کے صلح کے طلبگار رہوئے"۔[1]

صلح کیلئے دونوں لشکروں میں سفارتکاری کا عمل شروع ہوا۔ پانچویں خلیفہ راشد امام عالی مقام حضرت امام حسن علیہ السلام اور امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان درج ذیل شرائط پر صلح کا معاہدہ ہوا۔

۱: فارس کے علاقہ داراب گرد کا خراج حضرت امام حسن علیہ السلام کو دیا جائے۔[2]

۲: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر تبرا موقوف کیا جائے۔[3]

۳: جناب معاویہ کی وفات کے بعد خلافت حضرت حسن کو ملے۔[4]

۴: اہل مدینہ وحجاز وعراق کا مواخذہ نہ کیا جائے۔[5]

۵: حضرت حسن علیہ السلام کا قرض ادا کیا جائے۔[6]

۲۵ ربیع الاول ۴۱ ہجری کو ان مذکورہ بالا شرائط پر صلح کا یہ تاریخی معاہدہ لکھا گیا اور یوں حضرت امام حسن علیہ السلام نے کمال بے نفسی کے ساتھ دنیا کو لات مار کے عنان حکمرانی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔[7] حکیم الامت شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں جگر گوشہ رسول، فرزند بتول، نور چشم حیدر کرار حضرت امام حسن علیہ السلام کو خراج تحسین پیش کیا

آں یکے شمع شبستانِ حرم　حافظِ جمعیت خیر الامم

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں　پشت پا زد بر سر تاج و نگیں

ترجمہ: وہ حضرت امام عالی مقام امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ذات والا صفات حرم کی تاریک راتوں کو روشن کرنے والی منور شمع ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کے اتحاد و یکجہتی کی بھرپور حفاظت فرمائی یہاں تک کہ فتنہ وفساد اور حسد ورقابت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے تاج وتخت کو ٹھوکر مار دی اور اقتدار سے الگ ہو گئے۔

۱: صحیح بخاری شریف، کتاب الصلح قول النبی للحسن، اردو ترجمہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری فرید بکسٹال لاہور ۱۹۸۲ء جلد ا، صفحہ ۹۳۴

۲-۶: عبدالحلیم شرر محولہ بالا صفحہ ۸۸۰-۸۸۱

۷: ایضاً صفحہ ۸۸۱

اس طرح آپ نے اپنے نانا جان، مخبر صادق ﷺ کے اس فرمان عالیشان کی صداقت دنیا والوں پر آشکارا فرمادی کہ پیارے محبوب ﷺ نے فرمایا جس کی روایت صحابیٔ رسول ﷺ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام ان کے پہلو مبارک میں تھے۔ پیارے محبوب ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر فیضانِ نظر فرمایا اور پھر حضرت امام حسن علیہ السلام پر نگاہِ التفات ڈالتے ہوئے فرمایا

ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین۔[1]

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے اور امید ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کروائے گا۔

اور اس کے ساتھ ہی ساتھ خلافت راشدہ کے بارے میں بھی حضور علیہ السلام کے اس فرمان کی بھی تصدیق ہوگئی کہ "الخلافۃ بعدی ثلثون" میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔ حساب سے یہ مدت ٹھیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے وقت پوری ہوتی ہے۔[2]

روحانی خلافت

سرور کونین ﷺ سے دو خلافتوں کا سلسلہ آگے چلا۔ ایک ظاہری خلافت جو خلافت راشدہ کہلاتی ہے اور دوسری باطنی و روحانی خلافت۔ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دونوں خلافتیں حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات بابرکات میں جمع فرمادی تھیں چونکہ خلافت راشدہ کی طبعی عمر لسانِ نبوت سے تیس سال بتائی گئی تھی لہٰذا یہ مدت پوری ہونے پر آپ نے اس سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اقتدار و سلطنت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کردیا لیکن باطنی و روحانی خلافت کا سلسلہ تو قیامت تک چلتا رہے گا۔ یہ نہ صرف آپ کو حاصل رہی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قربانی اور فانی دنیا سے بے رغبتی کا یہ انعام و اکرام عطا فرمایا جس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اجل، محقق بے بدل، شیخ المشائخ، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین حضرت علامہ سید مومن شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

۱: صحیح بخاری شریف، کتاب الصلح، باب قول النبی للحسن

۲: شاہ معین الدین ندوی، محولہ بالا صفحہ ۳۳

"عوضہ اللہ و اھل بیتہ عنھا بالخلافۃ الباطنیۃ حتی ذھب قوم الی ان قطب الاولیاء فی کل زمان لا یکون الا من اھل البیت"[1]

اللہ تعالیٰ نے امام حسن اور آپ کی اولاد امجاد کو خلافت باطنی کا صلہ عطا فرمایا یہاں تک علماء کرام کی ایک جماعت نے اس کا ذکر کیا ہے کہ ہر دور میں قطب کا منصب اہل بیت کو عطا کیا جاتا ہے۔ متاخرین علماء اہل سنت خصوصاً علماء مسترشدین نے اپنی کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے[2]

مدینہ منورہ تشریف آوری

خلافت راشدہ کے منصب سے الگ ہونے کے بعد امام عالی مقام حضرت امام حسن علیہ السلام نے عراق چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا اور جب اپنے اہل وعیال اور عزیز واقارب کے ہمراہ کوفہ سے رخصت ہوئے تو تمام اہل کوفہ زار وقطار رو رہے تھے[3]۔ چنانچہ جب امام حسن علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں ابھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے جنہوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ محبت کے ایمان افروز مناظر اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے تھے۔ ان مقدس اور پاک طینت حضرات کیلئے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی مدینہ طیبہ آمد ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔ وہ شبیہہ جمال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے۔ آپ علیہ السلام کی صورت میں انہیں گویا پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار پر انوار میسر آ گیا۔ آپ بازار میں جاتے تو لوگ دکانوں پر کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کرتے، راہ چلنے والے رک جاتے اور آپ کیلئے راستہ صاف کر دیتے، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جاتے تو لوگ صفیں توڑ کر آپ کو اگلی صف میں قیام کیلئے جگہ فراہم کرتے، جب حج کیلئے تشریف لے جاتے تو طواف کعبہ میں مشغول لوگوں کی نظر جب آپ پر پڑتی تو رک جاتے اور آپ کی سہولت کیلئے راستہ بنا دیتے۔ یہی حال دیگر مناسک حج کی ادائیگی میں دیکھنے میں آتا کہ عشاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ مناسک کی ادائیگی میں اپنے آپ پر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوقیت دیتے اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اگر کسی کام کے متعلق ارشاد فرماتے تو

۱: مومن شبلنجی، نور الابصار، صفحہ ۱۲۱

۲: خضر حسین شاہ، خلفائے رسول، مکتبہ چشتیہ قادریہ گوجرانوالہ ۱۹۹۰ء صفحہ ۲۲۸

۳: عبدالحلیم شرر محولہ بالا صفحہ ۸۸۲

وہاں موجود حضرات آپ کے حکم کی بجا آوری کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور ہر ایک ہی کی خواہش ہوتی کہ نواسۂ رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کا شرف اسے حاصل ہو۔

اخلاق و کردار

حضرت امام حسن علیہ السلام اخلاق و محاسن کا پیکر تھے۔ بہت نرم دل، حلیم الطبع، نیک خو اور بے حد پرہیز گار تھے۔ طبیعت میں بڑا ٹھہراؤ تھا، نہایت باوقار اور صاحب جلال تھے، بڑے دریا دل، صلح پسند اور فتنہ انگیزی و خونریزی سے سخت نفرت کرتے تھے[1]۔ آپ کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا، اپنے بھائیوں کا ہمیشہ بہت خیال رکھتے تھے اور کسی بھی معاملے میں اپنے آپ کو ان پر فوقیت و ترجیح نہ دیتے۔ کوئی شخص اگر عذر پیش کرتا تو اس کے عذر کو قبول کر لیتے اور اسے ملامت نہ کرتے۔ جب کوئی معاملہ پیچیدہ ہو جاتا اور یہ واضح نہ ہوتا کہ حق و انصاف کس طرف ہے تو ایسی صورت میں اپنے نفس کا جائزہ لیتے اور نفس جس طرف مائل ہوتا اسے چھوڑ کر دوسری صورت اختیار فرماتے[2]۔ سبحان اللہ! نفس کشی کی انتہا ہے۔

علم و فراست

مدینۃ العلم ﷺ کے نواسے باب مدینۃ العلم کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فرزند ارجمند اور پھر جگر گوشہ نبوت سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی آغوش میں نشو و نما پانے والی ہستی کے علم و فراست، حکمت و دانائی اور فقاہت و بصیرت کا احاطہ تو درکنار تصور بھی محال ہے۔ ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی آپ کی بصیرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"آپ حقائق کو ماضی، حال اور مستقبل میں دیکھنے کی بصیرت رکھتے تھے"[3]

چند واقعات بطور نمونہ یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ باہر سے ایک شخص مدینہ منورہ آیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں درس کی محفل جمی ہوئی تھی۔ وہ بھی درس میں شامل ہو گیا اور صاحب درس سے "شاہد و مشہود" کے بارے میں سوال کیا تو اسے جواب ملا کہ "شاہد" جمعہ کا دن ہے اور "مشہود" یوم عرفہ کو کہتے ہیں۔ یہ شخص یہاں سے اٹھ کر ایک دوسرے بزرگ کی خدمت میں

۱-۲: محمد رضا، الحسن والحسین (عربی) صفحہ ۱۱

۳: ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی، نور مبین، صفحہ ۵۳۹

حاضر ہوا جو اپنے تلامذہ کو حدیث مبارکہ کا درس دے رہے تھے۔ چنانچہ اس نے یہاں پر بھی وہی سوال پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ شاہد کے معنی ہیں جمعہ اور مشہود یوم نحر (قربانی کا دن) ہے۔ یہ آدمی یہاں سے اٹھ کر ایک اور شخصیت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جن کے گرد لوگ جمع تھے جو سوال کرتے جاتے اور یہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ہر ایک کو تسلی بخش جواب مرحمت فرما رہے تھے۔ اس شخص نے اپنا وہی سوال یہاں دہرایا تو اسے ان الفاظ میں جواب ملا کہ "شاہد" رسول کریم ﷺ ہیں اور قرآن کی یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا (احزاب ۳۳ : ۴۵)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا (ترجمہ از کنز الایمان)

جبکہ مشہود کا معنی قیامت کا دن بتایا گیا اور اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی پڑھ کر سنایا کہ

ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (۱۱ : ۱۰۳)

ترجمہ: وہ دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھے ہوں گے اور وہ دن حاضری کا ہے (ترجمہ از کنز الایمان)

سائل یہ جواب سن کر مطمئن ہو گیا اور اس نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو اسے بتایا گیا کہ یہ نواسۂ رسول، جگر گوشہ بتول، نور چشم حیدر کرار حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر اس نے دوسرے صاحبان درس کے بارے میں دریافت کیا تو اسے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ (سید مومن شبلنجی، بحوالہ بالا صفحہ ۱۲۰)

سبحان اللہ! اس سے آلِ رسول خصوصاً امام عالی مقام حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی علمی جلالت و رفعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ نے ایک حدیث شریف کی تشریح فرماتے ہوئے یہودی کی غلط فہمی دور فرمائی۔

ایک مرتبہ آپ بہت ہی خوبصورت اور قیمتی لباس زیب تن کئے تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں غربت و ذلت کا مارا ہوا ایک یہودی سامنے آیا اس نے آپ کو روک کر کہا اے ابن رسول ﷺ آپ کے نانا جان کا فرمان ہے کہ الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر (دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے) لیکن میرا اور آپ کا معاملہ تو بالکل اس حدیث کے الٹ ہے۔ آپ کو ہر قسم کی آسائش و آرام اور نعمتیں

میسر ہیں جبکہ میں ہر قسم کے مصائب و آلام اور عسرت و تنگی میں مبتلا ہوں لہٰذا یہ دنیا میرے لئے قید خانہ اور آپ کیلئے جنت ہے۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا اے یہودی جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جنت میں تیار کر رکھی ہیں اگر تو انہیں دیکھ لے تو پھر تو جان لے گا کہ واقعی یہ دنیا جنت کی نعمتوں کے مقابلہ میں میرے لئے قید خانہ ہے اور اگر تو وہ دردناک عذاب دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیرے لئے تیار کر رکھا ہے تو اس وقت تو اس دنیا کو اپنے لئے جنت ہی کہے گا۔[1]

آپ کی فراست، دانائی اور فقاہت کا ایک دوسرا واقعہ والد گرامی مرتبت حضرت امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بارگاہ میں یوں پیش آیا کہ خلیفہ چہارم شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے دور خلافت میں ایک قتل کا مقدمہ حیدر کرار علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا جس کے اقبال جرم میں دو آدمی سامنے آئے۔ امیر المومنین نے پہلے ملزم سے پوچھا کہ تو نے اقبال جرم کیوں کیا تو وہ عرض کرنے لگا حضور واقعہ یہ ہے کہ میں قصاب ہوں میں نے بکرا ذبح کیا اور کام میں مصروف تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت پیش آئی، میں پیشاب کیلئے ذرا آگے نکل گیا اور ایک موزوں مقام پر پیشاب کیا۔ اچانک میری نظر ایک لاش پر پڑ گئی جسے ابھی ابھی قتل کیا گیا تھا، میں اس کے قریب گیا، خون آلود چھری میرے ہاتھ میں تھی جس سے میں نے بکرا ذبح کیا تھا چنانچہ میں لاش کے پاس کھڑا تھا کہ لوگ آگئے اور مجھے قاتل سمجھ کر پکڑ لیا۔ ان حالات میں مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی میرے بیان پر یقین نہیں کرے گا اس لئے اقبال جرم کر لیا۔ اور اب آپ کے سامنے ہوں، آپ جو فیصلہ فرمائیں۔ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے دوسرے شخص سے پوچھا اب تم بتاؤ تو وہ کہنے لگا حضور میں ایک مفلس اعرابی ہوں، میں نے مال و دولت کے لالچ میں یہ قتل کیا کہ اتنے میں آہٹ ہوئی اور ایک جگہ چھپ گیا اتنے میں لوگوں نے اس قصاب کو گرفتار کر لیا تو میرے دل نے مجھے اقبال جرم کرنے پر آمادہ کیا کہ میری وجہ سے یہ بے گناہ مارا جائے گا۔

باب العلم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے صاحبزادے سیدنا حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے فرمایا! بیٹے تمہاری اس مقدمے کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ نے عرض کیا امیر المومنین پہلا ملزم تو خود بخود بری ہو گیا اور جہاں تک اس دوسرے کا تعلق ہے تو اگرچہ اس شخص نے ایک آدمی کو ہلاک کیا لیکن ایک کی جان بھی بچائی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے

---

[1] ایضاً مومن شبلنجی، صفحہ ۱۲۰

وَ مَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعاً (مائدہ۵: ۳۲)

ترجمہ: اور جس نے ایک جان کو جلا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا (ترجمہ از کنز الایمان)

لہٰذا اس کی یہ نیکی ضائع نہیں ہونی چاہیے۔ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یہ مشورہ بہت ہی پسند آیا اور آپ نے اصل مجرم کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔۱

جود وسخا

حضرت امام حسن علیہ السلام جس عالی قدر اور سخی و لجپال گھرانے کے چشم و چراغ ہیں اس کی سخاوت و دریا دلی سے کون واقف نہیں اور اس کائنات کا کون سا فرد بلکہ کون سا ذرہ ہے جو اس آستانہ نبوت و ولایت سے مستفیض نہیں ہوا۔ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں اسی در اقدس سے عوام و خواص میں تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہاں تو طالب کی طلب سے بڑھ کر اسے عطا کیا جاتا ہے۔ کوئی جھولی پھیلانے والا سائل اس در سے کبھی محروم نہیں لوٹا یہی وجہ ہے کہ اس عالی گھرانے کی سخاوت و عنایت کے چرچے تا ابد جاری رہیں گے۔ یہاں پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی فیاضی کے چند واقعات نقل کیے جا رہے ہیں

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام نے ایک شخص کو دعا مانگتے ہوئے ملاحظہ فرمایا جو رب تعالیٰ سے دس ہزار درہم کا سوال کر رہا تھا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے گھر تشریف لائے اور فوراً دس ہزار درہم گن کر اسے ارسال فرما دیے۔۲

اسی طرح ایک بار ایک سوالی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنی تنگدستی و بدحالی بیان کی۔ امام حسن علیہ السلام نے مالی امور کی نگرانی کرنے والے خادم کو بلایا اور اسے آمدنی و اخراجات کا تخمینہ تیار کرنے کا حکم دیا تو حساب کتاب کے بعد پچاس ہزار درہم فاضل ٹھہرے۔ یہ رقم آپ نے اس شخص کو عطا فرمائی نیز ان کے علاوہ پانچ ہزار دینار الگ گھر میں پڑے ہوئے تھے وہ بھی اٹھا کر اسے دے دیے اور ساتھ ہی اس سے معذرت بھی فرمائی۳۔ گویا یہ خطیر رقم امام حسن علیہ السلام کی نظر میں کم تھی اس لئے سوالی سے معذرت کی ضرورت محسوس کی گئی۔

۱: سید خضر حسین شاہ، خلفائے رسول، بحوالہ بالا صفحہ ۲۲۶

۲-۳: مومن شبلنجی بحوالہ بالا صفحہ ۱۲۲

ایک اور دلچسپ واقعہ ابوالحسن المدائنی نے یوں نقل کیا ہے کہ ایک بار حضرت امام حسن، حضرت امام حسین علیہما السلام اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حج بیت اللہ کی سعادت کیلئے روانہ ہوئے۔ راستے میں صحرا سے گزرتے ہوئے پیاس اور بھوک کی شدت سے نڈھال ہو گئے، اچانک ایک جھونپڑی پر نظر پڑی۔ بڑی مشکل سے وہاں تک پہنچے، آواز دی، میاں تو گھر میں موجود نہیں تھے ایک بوڑھی عورت باہر آئی۔ آپ لوگوں نے اس سے کھانے پینے کی اشیاء طلب کیں تو وہ تینوں کو اندر لے گئی۔ ایک بکری اس کی کل کائنات تھی اس کا دودھ دوہ کر انہیں پلایا اور پھر اسے ذبح کر کے ان کیلئے کھانا تیار کیا۔ کھانا کھانے کے بعد جب یہ رخصت ہونے لگے تو بڑھیا کو اپنا پتہ دیا اور فرمایا اگر موقع ملے تو ہمارے پاس آنا ہم تمہارے اس حسنِ سلوک کا بدلہ دینے کی کوشش کریں گے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ میاں بیوی تنگدستی کا شکار ہو گئے اور مدینہ منورہ پہنچے اور ایک گلی میں چلے جا رہے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس بڑھیا کو پہچان لیا، انہیں اپنے گھر لائے، خوب خاطر مدارت کی اور انہیں ایک ہزار بکریاں خرید کر دیں اور ایک ہزار دینار نقد عطا فرمائے۔[1]

حضرت امام حسن علیہ السلام خود بھی فیاض تھے اور اہل سخا کو پسند بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک کھجور کے باغ سے گزرے تو دیکھا کہ ایک حبشی غلام کھانا کھا رہا ہے اور اس کے سامنے ایک کتا بھی بیٹھا ہوا ہے۔ یہ ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور دوسرا کتے کو دیتا اس طرح اس نے آدھا کھانا خود کھایا اور آدھا کتے کو کھلا دیا۔ آپ علیہ السلام یہ منظر دیکھتے رہے اور پھر اس غلام کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے اس کتے کی آنکھوں سے حیاء آتا تھا۔ آپ اس کا یہ جواب سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور باغ کے مالک سے جا کر باغ اور غلام دونوں خرید لئے اور پھر واپس آ کر اسے فرمایا کہ میں نے یہ باغ اور تجھے خرید لیا ہے اب تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ میں نے تجھے عطا کر دیا۔[2]

حضرت امام حسن علیہ السلام اہل سخا کے امام و پیشوا تھے اگر آپ کا ہاتھ خالی ہوتا تو پھر بھی آپ کسی محتاج یا سوالی کو مایوس نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی حاجت براری کیلئے مناسب تدبیر فرماتے چنانچہ ایک مرتبہ ایک

۱: مومن شبلنجی، بحولہ بالا صفحہ ۱۲۲

۲: شاہ معین الدین ندوی، بحولہ بالا، صفحہ ۳۸-۳۹

سائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے صدقہ مانگا اس وقت امام حسن علیہ السلام کے پاس کچھ مال و دولت نہ تھا جو اسے عنایت کرتے تو آپ نے اسے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ تمہیں اس سے زیادہ فائدہ ہوگا اور تمہاری ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور وہ یہ کہ خلیفہ کی بیٹی وفات پا گئی ہے اور ان الفاظ کے ساتھ ان سے تعزیت کرو" الحمد لله سترها بجلوسک علی قبرها و لا هتکها بجلوسها علی قبرک "[1] (اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس تعریف کے قابل ہے جس نے آپ کو بیٹی کی قبر پر بٹھا کر اس کی پردہ پوشی فرمائی اور اسے آپ کی قبر پر بٹھانے سے محفوظ رکھا اور اس کی عزت کو برقرار رکھا) وہ یہ جملہ یاد کر کے خلیفہ کے پاس پہنچا اور ان الفاظ مقدسہ کے ساتھ تعزیت کی جس سے خلیفہ کا دکھ اور رنج دور ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگا۔ پھر اس نے اس شخص کو کچھ رقم عطا کی اور اس سے پوچھا کہ یہ جملہ تمہارا اپنا ہے یا تمہیں کسی نے سکھایا ہے تو وہ کہنے لگا کہ یہ مجھے حضرت امام حسن علیہ السلام نے سکھایا ہے تو خلیفہ نے کہا "صدقت فانه معدن الکلام الفصیح" (تو نے بالکل سچ کہا ہے شک حضرت امام حسن علیہ السلام فصیح کلام کے معدن ہیں)[2]

عبادت وریاضت

آپ کا گھرانہ عبادت وریاضت کے لحاظ سے بھی کائنات میں ایک منفرد اور مرکزی مقام کا حامل ہے۔ خلافت سے دستبرداری کے بعد آپ نے مستقل مدینہ منورہ میں سکونت اختیار فرمائی تو آپ کے شب وروز یادِ الٰہی میں ہی گزرتے تھے۔ اسی عرصہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے روزمرہ معمولات کے بارے میں ایک شخص سے دریافت کیا تو اس نے یوں جواب دیا

"حضرت امام حسن علیہ السلام فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر بیٹھے رہتے ہیں، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہیں پھر گھر ہو کر مسجد چلے جاتے ہیں"[3]

والد گرامی کی وصیت کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت روزانہ باقاعدگی سے فرماتے خصوصاً سوتے وقت سورہ کہف کی تلاوت کیا کرتے تھے اور ہر طرح کی سواریاں رکھنے کے باوجود پاپیادہ حج کیا کرتے۔

۱-۲: ایضاً محمد رضا، الحسن والحسین (عربی)، صفحہ ۱۳　۳: شاہ معین الدین ندوی، بحوالہ بالا صفحہ ۳۷

شارح مسلم حضرت امام نوودی ؒ لکھتے ہیں حضرت امام حسن ؑ نے متعدد حج پاپیادہ کیے، آپ ؑ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب (حیاء) آتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں ۱؎۔ صاحب "صواعق محرقہ" کی تحقیق کے مطابق آپ نے پچیس حج پیدل کیے ۲؎۔

حضرت ابوسعید ؓ نے ایک حج کا ذکر کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نے بیت اللہ شریف میں باجماعت نماز ادا کی پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر سات طواف کیے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ دونوں خانوادۂ نبوی ﷺ کے چشم و چراغ ہیں تو مشتاقانِ جمال چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے ۳؎۔

ایک دن آپ طواف کر رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آپ کو اپنی کسی ضرورت کیلئے ساتھ لے جانا چاہا۔ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ گئے اور اس کی حاجت پوری کر کے واپس آئے اور طواف میں مشغول ہو گئے۔ ایک حاسد نے آپ پر اعتراض کیا کہ طواف چھوڑ کر چلے گئے تو آپ ؑ نے فرمایا سرورِ کونین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے جاتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو جانے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر پوری نہیں ہوتی تو بھی ایک عمرہ کا۔ ایسی صورت میں کس طرح نہ جاتا، میں نے طواف کی بجائے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب حاصل کیا اور پھر واپس ہو کر طواف بھی پورا کیا ۴؎۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام عالی مقام حضرت امام حسن ؑ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی کس قدر خیال کرتے تھے۔ نیز معترض کے علاوہ رہتی دنیا تک لوگوں کی رہنمائی فرمادی کہ خدمت خلق میں جو وقت گزرتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس کا نہایت ہی اعلیٰ انعام واکرام بندے کو عطا کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح فرمادیا کہ اگر ایک ہی وقت میں حقوق العباد اور حقوق اللہ ادا کرنے پڑ جائیں تو پہلے حقوق العباد ادا کیے جائیں اور پھر حقوق اللہ پورے کیے جائیں کیونکہ حقوق اللہ کی قضا دوسرے وقت ادا کی جاسکتی ہے۔

۱؎ شاہ معین الدین ندوی، بحوالہ بالا صفحہ ۳۷

۲؎ سید خضر حسین شاہ، خلفائے رسول، صفحہ ۲۲۸

۳؎ شاہ معین الدین ندوی، بحوالہ بالا صفحہ ۳۷ ۴؎ ایضاً صفحہ ۳۹

کرامات

قرآن وحدیث سے اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ملتا ہے اور علماء اہل سنت کا اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی کرامات کے برحق ہونے پر اجماع ہے اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام تو اولیاء کرام کے امام و پیشوا ہیں۔ آپ سے بھی کئی کرامات کا صدور ہوا، یہاں آپ کی صرف دو کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱: حضرت امام حسن علیہ السلام ایک مرتبہ حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے جا رہے تھے اور اس مبارک سفر میں پیدل چل رہے تھے حالانکہ سواریاں موجود تھیں۔ چلتے چلتے آپ کے پاؤں مبارک میں ورم آ گیا اور چلنے میں تکلیف ہونے لگی لیکن آپ برابر چلتے رہے۔ آپ کے ایک غلام نے عرض کیا حضور آپ سواری پر سوار ہو جائیں تاکہ یہ تکلیف کم ہو جائے لیکن آپ نے اس کی یہ درخواست قبول نہیں فرمائی اور فرمایا جب اپنی منزل پر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہوگا تم وہ تیل اس سے خرید لینا اور جھگڑا مت کرنا۔ چنانچہ جب انہوں نے ایک منزل پر پہنچ کر قیام کیا تو وہاں اس غلام کو ایک حبشی دکھائی دیا۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا یہ ہے وہ شخص جاؤ اور اس سے تیل خرید لاؤ۔ جونہی وہ غلام حبشی کے پاس گیا اور تیل طلب کیا تو حبشی اس سے پوچھنے لگا تم یہ تیل کس کیلئے لے جا رہے ہو تو غلام نے کہا نواسہ رسول حضرت امام حسن علیہ السلام کیلئے۔ حبشی نے کہا مجھے فوراً ان کے پاس لے چلو۔ وہ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حبشی نے آپ کو تیل پیش کیا اور قیمت لینے سے انکار کرتے ہوئے عرض کی حضرت میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اس کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف دور کرے اور ایک تندرست صحیح الاعضاء بچہ عطا فرمائے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اسے فرمایا تم گھر جاؤ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا اور تجھے ایسا ہی بیٹا نصیب فرمائے گا جیسا تم چاہتے ہو اور وہ ہمارا پیروکار ہوگا۔ حبشی آپ سے رخصت ہو کر جب گھر پہنچا تو امام حسن علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا گھر میں ویسی ہی صورتحال ملاحظہ کی۔ (خضر حسین شاہ، خلفائے رسول، صفحہ ۲۲۹)

۲: ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے دوران سفر ایک باغ میں ڈیرہ ڈالا، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کاش اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتی جنہیں ہم کھاتے حالانکہ باغ اس موسم میں خشک تھا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس کی یہ آرزو پوری کرنے کیلئے زیر لب ایک دعا پڑھی جو کسی کو معلوم نہ ہوئی البتہ فوراً ایک کھجور کا درخت بارآور ہو گیا اور اس میں تازہ کھجوریں لگ

گئیں۔ شتربان یہ صورتحال دیکھ کر کہنے لگا بخدا یہ تو جادو ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا جادو نہیں یہ اس دعا کا اثر ہے جو پیغمبر ﷺ کے بیٹے نے مانگی ہے اس کے بعد تمام قافلے والوں نے تازہ کھجور تناول کیے۔[۱]

ارشاداتِ عالیہ

امام عالی مقام حضرت امام حسن علیہ السلام کے حکیمانہ اقوال ہماری تاریخ اسلام کا زریں باب ہے جو موجودہ دور میں بھی ہماری ہدایت ورہنمائی کیلئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے چند ارشاداتِ عالیہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

☆ --ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کیلئے کسی نااہل سے رجوع کیا جائے۔[۲]

☆ --سب سے اچھی زندگی وہ بسر کرتا ہے جو اپنی زندگی میں دوسروں کو بھی شریک کرے اور بری زندگی اس کی ہے جس کے ساتھ کوئی دوسرا زندگی نہ بسر کر سکے۔[۳]

☆ --مکارم اخلاق دس ہیں: زبان کی سچائی، جنگ کے وقت حملہ کی شدت، سائل کو دینا، حسنِ خلق، احسان کا بدلہ دینا، صلۂ رحمی، پڑوسی کی حفاظت وحمایت، حقدار کی حق شناسی، مہمان نوازی اور سب سے بڑھ کر شرم و حیا۔[۴]

☆ --ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے مروت، کرم اور بہادری کے معانی دریافت کیے تو آپ نے ارشاد فرمایا: مروت کہتے ہیں اپنے مذہب کی اصلاح کرنا، اپنے مال کی دیکھ بھال، نگرانی اور اسے برمحل صرف کرنا، سلام زیادہ کرنا اور لوگوں میں محبوبیت حاصل کرنا--- کرم کہتے ہیں مانگنے سے پہلے دینا، احسان وسلوک کرنا، برمحل کھلانا پلانا اور بہادری کہتے ہیں پڑوسی کی طرف سے مدافعت کرنا، آڑے وقتوں میں اس کی حمایت وامداد کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا۔[۵]

شہادتِ خفی کے مقام پر فائز ہونا

علم وفضل اور اخلاق حسنہ کے یہ پیکر اتم نہایت خاموش اور سکون سے اپنے جد امجد سرور کونین ﷺ کے جوارِ رحمت میں اپنی حیات طیبہ یادالٰہی اور مخلوق خدا کی خدمت میں بسر فرمارہے تھے کہ آپ کو ۵۰ ہجری میں

[۱] سید خضر حسین شاہ، خلفائے رسول، صفحہ ۲۳۰

[۲-۵] شاہ معین الدین ندوی، صفحہ ۳۱-۳۲

زہر دیا گیا۔ سم قاتل تھا، آپ کے قلب وجگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ اپنے برادر اصغر سیدنا امام حسین علیہ السلام کو بلایا اور یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے زہر دینے والے کا نام دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ میں پکڑا جائے اور زہر دینے والے کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔[1]

پھر فرمایا بھائی جان میری نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش ہے، میں نے نانی جان ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وہاں دفن ہونے کی اجازت لی ہے لیکن میری روح پرواز ہونے کے بعد دوبارہ ان سے اجازت طلب کرنا۔ اگر اجازت مل گئی تو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنا۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس میں بنوامیہ مزاحم ہوں گے اگر مزاحمت کی صورت پیش آئے تو اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گور غریباں میں دفن کر دینا۔[2] چنانچہ زہر خورانی کے چند دن بعد یہ شمع شبستانِ حرم ربیع الاول ۵۰ ہجری میں اپنے نانا جان نورِ مبین، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن[3]

مروان بن حکم کی شقاوت وجسارت

مروان بن حکم نے تمام عمر امام حسن علیہ السلام کو پریشان کئے رکھا اور امام عالی مقام کے وصال کے بعد بھی اس نے اپنی شقاوت اور ظالمانہ جسارت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے برادر اکبر کی وصیت کے مطابق حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے نہایت ہی فراخدلی کے ساتھ اجازت مرحمت فرما دی لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نے جس خدشے کی نشاندہی فرمائی تھی وہ صحیح نکلا اور مروان اپنے عزیز و اقارب کو لے کر آیا اور مخالفت کرنے لگا۔[4] بنی ہاشم بھی مقابلے کیلئے نکل آئے۔ قریب تھا کہ مدینہ منورہ کی سرزمین خون سے لالہ زار بن جائے اتنے میں معروف صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی وصیت یاد دلائی

۱-۲: ایضاً شاہ معین الدین ندوی، صفحہ ۲۵

۳: حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں تاریخ میں مختلف روایات ملتی ہیں مثلاً ۲۸ صفر، ۱۰ رمضان اور ۵ یا ۱۵ ربیع الاول۔ اسی طرح سال ہجری کے حساب سے بھی ۴۹ اور ۵۰ ہجری کا سن ملتا ہے لیکن ان روایات کے گہرے جائزے کے بعد ربیع الاول ۵۰ ہجری والی روایت صحیح نظر آتی ہے۔۔۔واللہ اعلم۔

۴: تاریخ ابن خلدون، اردو ترجمہ حکیم احمد حسین، نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۸۱ جلد ۲ صفحہ ۶۳-۶۴

جس پر حضرت امام حسین علیہ السلام خاموش ہو گئے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو بقیع میں اپنی شفیق مادر محترمہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۲۔ نمازِ جنازہ اموی گورنرِ مدینہ سعید بن العاص نے پڑھائی، حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا اگر یہ مسنون نہ ہوتا تو میں تم کو نماز نہ پڑھانے دیتا۔۳

حضرت امام حسن علیہ السلام کا روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے بقیع کے گورقبرستان میں دفن کیا جانا بھی آپ کے روحانی تصرفات کا نتیجہ تھا کہ جس پیکر صلح و آشتی نے زندگی میں مسلمانوں کے خون کی قیمت پر دنیاوی جاہ وحشم حاصل کرنا پسند نہ کیا اور خونریزی سے بچنے کیلئے سلطنت وحکومت جیسی چیز کو ٹھکرا کر عزلت نشینی کی زندگی اختیار کی، آپ کے جسدِ اقدس سے وفات کے بعد یہ کرامت صادر ہوئی کہ روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے جنت البقیع کے قبرستان میں دفن ہونا گوارا فرمالیا لیکن مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت قائم رکھتے ہوئے اسے مسلمانوں کے خون سے رنگین نہیں ہونے دیا۔۴

مدینہ منورہ میں سوگ

حضرت امام حسن علیہ السلام کی وفات حسرت آیات امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً اہل مدینہ کیلئے ایک عظیم صدمہ تھا۔ چنانچہ تمام بازار بند ہو گئے اور گھر گھر نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرقت وجدائی کا سوگ منایا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غم واندوہ سے نڈھال تھے اور آہ وفغاں کرتے ہوئے پکارتے تھے لوگو! آج خوب رولو کیونکہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب نواسہ دنیا سے اٹھ گیا ہے۔۵

آپ کے جنازہ میں مدینہ منورہ اور اطراف مدینہ سے غلامانِ رسول اور محبان اہل بیت کا ایک جم غفیر امڈ آیا تھا۔ اس سے قبل اتنا بڑا ہجوم کسی جنازہ میں کم ہی دیکھنے میں آیا تھا۔ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک اس جنازہ کا چشم دید منظر بیان کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ اگر سوئی جیسی چھوٹی چیز بھی پھینکی جاتی تو کثرت ازدحام کے باعث زمین پر نہ گرتی۔۶

۱: تاریخ ابن خلدون، اردو ترجمہ حکیم احمد حسین، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۱ء جلد ۲ صفحہ ۶۳-۶۴

۲: شاہ معین الدین ندوی،

۳: تاریخ ابن خلدون، بحوالہ بالا صفحہ ۶۴

۴-۶: شاہ معین الدین ندوی، بحوالہ بالا صفحہ ۲۶۔

ازواج واولاد

حضرت امام حسن ؑ کی ازاوج واولاد کے متعلق مؤرخین اور اہل سیر میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات میں آپ کی بیویوں کی تعداد نوے تک پہنچ جاتی ہے۱۔ معروف مورخ علامہ شاہ معین الدین ندوی ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"لیکن یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں، اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کی کل دس اولادیں تھیں۔ یہ تعداد شادیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شادیوں کی کثرت کی روایات مبالغہ سے خالی نہیں ہیں"۲

اسی طرح مولوی عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں

"آپ کی بیویوں کا شمار اگرچہ نوے تک بتایا جاتا ہے مگر ان میں فقط خولہ بنت منصور، فزاریہ، عقبہ بن مسعود کی بیٹی ثقفیہ اور ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ کے نام معلوم ہوسکے ہیں"۳

اس سے بھی کثرت ازاوج کی روایات افسانوی معلوم ہوتی ہیں۔

عصر حاضر کے ایک معروف عالم دین اور محقق حضرت علامہ سید خضر حسین شاہ صاحب نے مختلف کتب سیر کی روشنی میں آپ کی درج ذیل نو بیویوں کے نام نقل کیے ہیں: ام بشیر بنت ابو مسعود بن عتبہ، خولہ بنت منصور بن ریان بن عمرو بن جابر، فاطمہ بنت ابو مسعود عقبہ بن عمر، ام اسحاق بنت طلحہ، رملہ، ام الحسن، ثقفیہ، امراء القیس، جعدہ بنت اشعث۴۔ یہ روایت زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ نو کو سہواً نوے بنادیا گیا ہے۔

اولاد

اسی طرح علامہ سید خضر حسین شاہ کی تحقیق کے مطابق آپ کو اللہ تعالیٰ نے بارہ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں مرحمت فرمائی تھیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں

۱-۲: شاہ معین الدین ندوی بحوالہ بالا صفحہ ۲۷

۳: مولوی عبدالحلیم شرر بحوالہ بالا صفحہ ۹۴

۴: خضر حسین شاہ، خلفائے رسول بحوالہ بالا صفحہ ۲۳۳

صاحبزادے: حضرت زید، حضرت حسن مثنیٰ، حضرت حسین اثرم، حضرت طلحہ، حضرت اسماعیل، حضرت حمزہ، حضرت یعقوب، حضرت عبداللہ، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت قاسم رضی اللہ عنہم ۱

صاحبزادیاں: آپ کی پانچ صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام عبداللہ، حضرت رملہ ام الحسین اور حضرت ام الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے اسماء گرامی شامل ہیں۔۲

حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسل کا آگے چلنا

آج عرب وعجم میں بلکہ دنیا بھر میں حسنی اور حسینی سادات کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ قرآن کریم کی سورہ کوثر کی حقیقی، زندہ اور جیتی جاگتی تفسیر ہے۔ خارجی، ناصبی اور دیگر دشمنانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیران و پریشان ہیں کہ اس قدر سادات کرام کہاں سے آ گئے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ جسے اللہ تعالیٰ بڑھائے اسے کوئی کم یا ختم نہیں کر سکتا۔ تو حضرت امام حسن علیہ السلام کے دو صاحبزادوں حضرت سیدنا زید اور حضرت سیدنا حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نسل حسنی کا سلسلہ آگے چلا۔۳

امام الائمہ حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔۴ آپ بہت بڑے فاضل، رئیس اور اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیز گار انسان تھے۔ والد گرامی کا رعب و دبدبہ اور ہیبت بھی آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔۵ آپ کی شادی اپنے چچا کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ صغریٰ بنت سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوئی تھی جو حسن و جمال میں حورانِ بہشت کے مشابہ تھیں۔۶ امام حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے ۹۷ ہجری میں وصال فرمایا۔۷ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین صاحبزادے مرحمت فرمائے تھے جن کے نام یہ ہیں: حضرت عبداللہ محض، ابراہیم قمر اور حسن مثلث رضی اللہ عنہم۔۸

مدیر اعلیٰ "الحسن" استاذ گرامی مرتبت حضرت سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی مدظلہ العالی حضرت عبداللہ محض رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد سے ہیں اور آنجناب کی تینتیسویں (۳۳ ویں) پشت میں اپنے اسلاف کے علوم و معارف کے امین ہیں اور ایک زمانہ آپ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم سب پر قائم و دائم رکھے --- آمین۔

۱-۳: خضر حسین شاہ، خلفائے رسول، محولہ بالا، صفحہ ۲۳۳

۴-۸: ایضاً خضر حسین شاہ، آلِ رسول، محولہ بالا جلد ۲، صفحہ ۵۰۴-۵۰۹